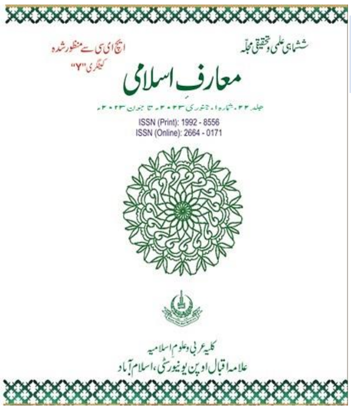

معارِفِ اِسلامی Ma'ārif-e-Islāmī

eISSN: 2664-0171, pISSN: 1992-8556
Publisher: Faculty of Arabic & Islamic Studies
Allama Iqbal Open University, Islamabad
Website: https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi
Vol.22 Issue: 01 (January-June 2023)
Date of Publication: 25-June 2023
HEC Category (July 2022-2023): Y

https://ojs.aiou.edu.pk/index.php/jmi

Article	یہود کے فکری مغالطوں کاقرآنی بیانیہ *Quranic Narrative on Fallacies of Jews*
Authors & Affiliations	***1. Muhammad Riaz*** *Doctoral Candidate, Department of Islamic Learning, University of Karachi* *Riaz_76@gmail.com* ***2. Dr. Muhammad Atif Aslam Rao*** *Assistant Professor, Department of Islamic Learning, University of Karachi, Pakistan.* *data.atif@gmail.com*
Dates	***Received*** 11-01-2023 ***Accepted*** 04-06-2023 ***Published*** 25-06-2023
Citation	Muhammad Riaz and Dr. Muhammad Atif Aslam Rao, 2023. یہود کے فکری مغالطوں کاقرآنی بیانیہ. [online] IRI - Islamic Research Index - Allama Iqbal Open University, Islamabad. Available at: https://iri.aiou.edu.pk [Accessed 25 June 2023].
Copyright Information	2023@یہود کے فکری مغالطوں کاقرآنی بیانیہ by Muhammad Riaz & Dr. Muhammad Atif Aslam Rao is licensed under Attribution-Share Alike 4.0 International
Publisher Information	Faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad https://aiou.edu.pk/

Indexing & Abstracting Agencies

IRI(AIOU)	HJRS(HEC)	Tehqiqat	Asian Indexing	Research Bib	Atla Religion Database (Atla RDB)	Scientific Indexing Services (SIS)

یہود کے فکری مغالطوں کا قرآنی بیانیہ

Quranic Narrative on Fallacies of Jews

Abstract

Among various nations, Jews have always been a conspiring and cunning nation. They have a long-standing claim that they are the only God's chosen people. This nation has always repulsed the truth. Allah Almighty sent many prophets to reform their beliefs and deeds. However, they remained steadfast in their nature and remained in disbelief and disobedience. This article deals with fallacies of Jews and deeply examines the misconceptions and misunderstandings of the Jews in the light of selected verses of the Qur'an. The researchers have introduced their subject with a brief history of Jews. Subsequently, comprehensive discussion is made on various fallacies of Jews along with the Quranic Narrative on them. Among numerous false notions, research is presented on their beliefs on being the only pious and son of Almighty Allah who truly deserve Heaven. It also deals with their belief that all prophets were Jews and it is sufficient to believe only on Taurah. The article also presents the cause of their misbehavior that Jews deliberately commit sin and assume that they will be forgiven by Allah. As a result of this misunderstanding, they neither repent nor feel ashamed. Jews have always rebelled the truth. They killed the Prophets unjustly, turned away from the truth, distorted the Book of Allah and broke the covenant. This attitude is continued till present. It is highly significant to highlight their fallacies to the modern-day researchers and students in the context of the Holy Quran so that the nation can secure themselves and their upcoming generations.

Keywords: *Long-standing claim, Prophets, God's beloved, hell, verses of the Qur'an*

تمہید:

یہودیوں کا یہ قدیمی دعویٰ ہے کہ وہ اللہ کے مختار اور برگزیدہ لوگ ہیں[1] جبکہ درحقیقت یہودی قوم ہمیشہ سے ہی حق سے روگردانی کی مرتکب رہی ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے عقائد واعمال کی اصلاح کے لیے کئی ایک نبی بھیجے مگر وہ اپنی فطرت پر قائم رہے اور کفر و سرکشی میں پڑے رہے۔ انبیائے کرام کو ناحق قتل کیا،[2] حق سے روگردانی کرتے ہوئے کتاب اللہ میں تحریف کی،[3] عہد و میثاق کو توڑا،[4] تلبیس حق اور کتمان

حق ان کا شیوہ تھا۔[5] صرف یہی نہیں بلکہ کھلم کھلا سرکشی، کفر اور بد عملی کے باوجود اس فکری مغالطے میں پڑے ہوئے تھے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔[6] یعنی یہودی گناہ کرتے اور جانتے تھے کہ گناہ ہے، مگر وہ بزعم خود یہ سمجھتے کہ ہماری مغفرت کر دی جائے گی۔ انہوں اخروی نجات کا خود ساختہ عقیدہ گھڑا ہوا تھا۔[7] اس غلط فہمی کے نتیجے میں وہ نہ تو توبہ کرتے اور نہ ہی شرمندہ ہوتے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات میں یہودیوں کے فکری مغالطوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں قرآن مجید کی منتخب آیات کی روشنی میں یہودیوں کے چند فکری مغالطوں کا جائزہ لیا جائے گا۔

جہنم میں محدود مدت تک قیام کا دعویٰ:

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَةً قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ [8]

ترجمہ: اور انہوں نے کہا کہ ہمیں سوائے چند دنوں کے ہرگز آگ نہیں چھوئے گی۔ آپ کہیے: تم نے اللہ سے کوئی عہد لیا ہے جس کی اللہ ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا تم اللہ کے متعلق وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں؟

اس آیت میں یہودیوں کی غلط فہمی اور فکری مغالطے کا ذکر ہے۔ یہودی علماء سمیت عام یہودیوں کا یہ خیال تھا کہ ہم دنیا میں جو کچھ بھی کریں، یہودی ہونے کے ناطے ہمیں جہنم میں نہیں ڈالا جائے گا اور بالفرض اگر ہمیں جہنم میں داخل بھی کیا گیا تو صرف محدود مدت کے لیے داخل کیا جائے گا، پھر اس کے بعد وہاں سے نکال دیا جائے گا۔ یہاں محدود مدت کے حوالے سے مفسرین نے دو اقوال نقل کیے ہیں۔

پہلا قول:

امام طبری حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کرتے ہیں:

ذلك أعداء الله اليهود، قالوا: لن يدخلنا الله النار إلاتحلة القسم، الأيام التي أصبنا فيها العجل: أربعين يوما، فإذا انقضت عنا تلك الأيام، انقطع عنا العذاب والقسم.[9]

اللہ کے دشمن یہودیوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ہمیں جہنم میں صرف قسم پوری کرنے کے لیے داخل کرے گا اور یہ چالیس دن کی مدت ہے جس میں ہم نے بچھڑے کی پرستش کی تھی اور جب یہ مدت گزر جائے گی تو ہم سے عذاب اٹھا لیا جائے گا۔

دوسرا قول:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أن اليهود كانوا يقولون أن هذه الدنيا سبعة آلاف سنة، وإنما نعذب بكل ألف سنة يوما في النار وإنما هي سبعة أيام معدودة[10]

یہودی کہتے تھے کہ دنیا کی مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر سال کے بدلے میں ایک دن ہمیں عذاب ہو گا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔

یہود و نصاریٰ ہونا معیارِ ہدایت:

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى تَهْتَدُوا [11]

ترجمہ: اور اہلِ کتاب نے کہا: یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔

اس آیت میں اہلِ کتاب کے ایک فکری مغالطے کا تذکرہ ہے۔ ان کا مغالطہ تھا کہ ہدایت یافتہ صرف وہی لوگ ہیں۔ اسی لیے وہ مسلمانوں سے کہا کرتے تھے کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ وہ یہ بات اس بناء پر کہتے تھے کہ بعض انبیاء کے متعلق ان کا دعویٰ تھا کہ وہ یہودی تھے۔ وہ یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق خاص طور پر کہا کرتے تھے۔[12]

علامہ جریر طبری روایت نقل کرتے ہیں:

قال عبد الله بن صوريا الأعور لرسول الله صلى الله عليه وسلم: ما الهدى إلا ما نحن عليه، فاتبعنا يا محمد تهتد.[13]

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ ﷺ سے کہا: ہدایت پر ہم ہیں، اگر تم ہماری اتباع کرو گے تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی۔

انبیاء کے متعلق یہودی ہونے کا دعویٰ:

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا هُودًا أَوْ نَصَارَى قُلْ أَأَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ[14]

ترجمہ: کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور ان کی اولاد یہودی یا عیسائی تھے؟ آپ فرمائیے: کیا تم زیادہ جاننے والے ہو یا اللہ؟ اور اس سے زیادہ کون ظالم ہو گا جس نے اس شہادت کو چھپایا جو اس کے پاس اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں ہے۔

یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد میں سے یہ انبیاء یہودی تھے اور عیسائی ان کو اپنی طرف منسوب کرتے تھے۔ حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ انبیاء یہودیت و نصرانیت سے بری ہیں۔ علامہ ابن جریر امام حسن کا قول نقل کرتے ہیں:

واللہ لقد کان عند القوم من اللہ شهادةُ أنّ أنبياءَه بُرَآء من اليهودية والنصرانية[15]

بخدا (یہودی) قوم کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہادت موجود تھی کہ انبیاء کرام یہودیت و نصرانیت سے بری ہیں۔

اسی طرح علامہ جریر طبری حضرت ربیع سے نقل کرتے ہیں:

وهم يجدونه مكتوبًا عندهم في التوراة والإنجيل: أنّهم لم يكونوا يهودَ ولا نصارَى، وكانت اليهودية والنصرانية بعد هؤلاء بزمان.[16]

وہ تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے تھے کہ انبیاء یہود و نصاریٰ میں سے نہیں ہیں اور یہودیت و نصرانیت تو بعد کے زمانے کی ہے۔

مگر اس کے باوجود یہودیوں نے اپنی قوم کے سامنے انبیاء کرام کے متعلق یہودی ہونے کا دعویٰ کیا تاکہ قومِ یہود بغیر کسی شش و پنج کے اس امید پر یہودیت پر قائم رہیں کہ جب انبیاء بھی یہودی تھے تو ہم کیونکر یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہودی قوم کے اس فکری مغالطے اور کذب بیانی کا رد بڑے واضح الفاظ میں کیا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ.[17]

ترجمہ: ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ عیسائی بلکہ وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے مسلمان تھے اور مشرکوں سے نہ تھے۔

فقط تورات پر ایمان لانے کا دعویٰ:

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُؤْمِنُ بِمَا أُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِمَا مَعَهُمْ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ[18]

ترجمہ: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ان تمام کتابوں پر ایمان لاؤ جن کو اللہ نے نازل کیا ہے، تو کہتے ہیں: ہم اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل کیا گیا ہے اور اس کے ماسوا کا انکار

کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ (اصل) کتاب ان کے پاس ہے جو اس کی تصدیق کرنے والا ہے۔
آپ کہیے: اگر تم تورات پر ایمان لانے والے ہو تو اس سے پہلے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے؟

جب یہودیوں کو قرآن پر ایمان لانے کی دعوت دی جاتی تھی تو وہ اس کے جواب میں کہتے تھے کہ ہم صرف اس چیز پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوئی ہے یعنی وہ صرف تورات پر ایمان لانے کے قائل تھے۔ وہ اس فکری مغالطہ میں تھے کہ اس پر ایمان لانا ہمارے لیے کافی ہے۔

در حقیقت یہودی قومی عصبیت اور ہوائے نفس کی پیروی میں تورات پر بھی کامل ایمان نہیں رکھتے تھے، اس میں سے بھی صرف ان باتوں پر ایمان لاتے تھے جو ان کے مزاج پر پوری اترتیں، اس کے برعکس وہ تورات کی آیات کو چھپانے کی جسارت کرتے اور کتمانِ حق کے مرتکب ہوتے تھے۔ اس آیت کے اگلے حصہ میں یہودیوں سے الزامی طور پر یہی سوال کیا گیا کہ اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو تو انبیاء کو قتل کیوں کرتے تھے۔ حالانکہ تورات پر کامل ایمان لانے کا تقاضا تو یہ تھا کہ وہ تمام آنے والے انبیاء کی نصرت کرتے اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کو بسر و چشم قبول کرتے۔ جبکہ انہوں نے ایسا نہیں کیا اور انبیاء کو قتل کر کے فساد برپا کیا۔

جنت کے حقیقی وارث ہونے کا دعویٰ:

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ[19]

ترجمہ: اور اہلِ کتاب نے کہا: جنت میں صرف یہودی یا عیسائی جائیں گے، یہ ان کی باطل تمنائیں ہیں۔ آپ فرمائیے: اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔

یہودی قوم ابتداء ہی سے اس خوش فہمی میں مبتلا تھی کہ نجات انہی کی قوم اور وابستگان قوم کے ساتھ مخصوص ہے اور یہی خوش فہمی عیسائیوں میں بھی پائی جاتی تھی۔ اس آیت میں دونوں فرقوں کے دعوے کو یکجا کر کے بیان کیا گیا ہے، در حقیقت ان میں ہر ایک اپنی جگہ مدعی تھا۔ یہودی کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہودی ہی جائیں گے جبکہ عیسائی کہتے تھے کہ جنت میں صرف وہی داخل ہوں گے۔

قرآن نے دو ٹوک الفاظ میں ان کے اس فکری مغالطے کا رد کرتے ہوئے کہا کہ یہ ان کی باطل تمنائیں ہیں جس کے پیچھے کوئی دلیل نہیں ہے۔ گویا کہ مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی کہ یہ یہود و نصاریٰ مل کر تمہیں جنت کی لالچ دے کر اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں، تم ہرگز ان کی طرف التفات نہ کرنا۔ یہ سب ان کی خام خیالیاں اور دل بہلانے کی باتیں ہیں۔

امیین کے متعلق یہودیوں کا فکری مغالطہ:

وَمِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَنْ إِنْ تَأْمَنْهُ بِدِينَارٍ لَا يُؤَدِّهِ إِلَيْكَ إِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَائِمًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ[20]

ترجمہ: اور اہلِ کتاب میں سے ایسے لوگ بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ڈھیروں مال بطورِ امانت رکھوادو تو وہ پورا کا پورا تمہیں واپس لوٹا دیں گے اور ان میں ایسے بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی بطورِ امانت رکھوادو تو وہ تمہیں واپس نہیں کریں گے مگر یہ کہ تم ان کے سر پر کھڑے رہو، یہ اس لیے کہ وہ کہتے ہیں کہ اَن پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مؤاخذہ نہیں۔

اس آیت میں بعض یہودیوں کی بد دیانتی، بے ایمانی اور خیانت کا ذکر ہے کہ اگر ان کے پاس بطورِ امانت کچھ رکھوایا جائے تو وہ واپس نہیں کریں گے اسے ہڑپ کر جائیں گے اور کہیں گے کہ امیین یعنی اَن پڑھوں کے متعلق ہم سے کوئی مؤاخذہ نہیں۔[21]

یہودیوں کے ہاں اخلاق و آداب کے پیمانے مختلف تھے۔ یہودیوں کی خود ساختہ شریعت کے مطابق ایک یہودی کا دوسرے یہودی سے جھوٹ بولنا، اسے دھوکہ دینا اور اس کا مال لوٹنا جائز نہیں ہے۔ جبکہ غیر یہودی جنہیں وہ امیین سے تعبیر کرتے تھے' ان سے متعلق اس مغالطے میں مبتلا تھے کہ غیر یہودیوں کا مال یہودیوں کے لیے حلال ہے۔ اس کی بنیاد انہوں نے تورات کی اس آیت کو بنایا ہوا تھا جس میں قرض اور سود کے احکام میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی کے درمیان تفریق ہے۔[22]

اسی بنیاد پر یہودی کہتے تھے امیین (عرب) کا مال ہر طرح سے ہمارے لیے حلال ہے کیونکہ یہ لوگ ہمارے مذہب کے مخالف ہیں اور ہماری کتاب میں ان کے حقوق نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہودی غیر یہودیوں پر ہر ظلم کو جائز سمجھتے تھے اور ان کی حق تلفی کو حلال جانتے تھے۔[23]

امام رازی نے اس معاملے میں یہودیوں کے خوش فہمی میں مبتلا رہنے کی چند وجوہات ذکر کی ہیں جن کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ یہودی اپنے دین میں سخت متعصب تھے، وہ کہتے تھے کہ جو دین میں ان کا مخالف ہو' اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور جس طرح ممکن ہو اس کا مال لوٹنا بھی جائز ہے۔ اسی طرح یہودی کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ساری مخلوق ہماری غلام ہے، اس لیے وہ ہر غیر یہودی کا مال اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔[24]

علامہ سعیدی لکھتے ہیں: یہودی جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی تحقیر اور اپنا تفوق بیان کرنا تھا وہ اس پر تکبر کرتے تھے کہ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں

اور ان کو مسلمانوں سے پہلے کتاب دی گئی ہے، اس لیے وہ خود کو اہل کتاب اور مسلمانوں کو امیین کہتے تھے۔ اور جو شخص دین میں ان کا مخالف ہو اس کے حقوق کے استحصال کو جائز سمجھتے تھے۔[25]

الغرض یہودی بڑی بے تکلفی کے ساتھ اپنے دین کا فرض سمجھتے ہوئے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کے اموال تلف کرنے، ناجائز ہڑپ کرنے، فریب اور دھوکہ دہی جیسے جرائم کا ارتکاب کرتے تھے اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہم سے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہو گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں واضح طور پر اعلان کیا کہ آخر کیوں ان سے باز پرس نہیں ہو گی؟ یعنی جو کوئی بھی غلط راہ اختیار کرے گا، اس سے ضرور بالضرور باز پرس ہو گی اور اسے اپنے کیے کی سزا ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کے متعلق محتاج ہونے کا دعویٰ:

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ [26]

ترجمہ: بے شک اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر (محتاج) ہے اور ہم غنی ہیں۔

ابن ابی حاتم روایت نقل کرتے ہیں:

عن ابن عباس قال: أتت اليهود محمدا ﷺ حين أنزل الله: من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فقالوا: أفقير ربك يسأل عباده القرض؟[27]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی تو یہود محمد ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے: کیا تمہارا رب فقیر ہے جو بندوں سے قرض مانگتا ہے؟

ابن ہشام کے مطابق یہودیوں میں سے فخاص بن عازوراء تھا جسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے طمانچہ بھی مارا تھا۔ اس نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے قرض مانگ رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ (نعوذ باللہ) مفلس ہے اور ہم غنی ہیں۔[28]

اس کا یہ قول بطورِ تمسخر تھا اور کمزور اہلِ ایمان کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کے لیے تھا۔ یہود اسلام کے تمسخر اور استہزاء کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ عہدِ رسالت مآب ﷺ میں جب مسلمانوں کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی گئی اور جہاد میں بڑھ چڑھ کر خرچ کرنے کی تلقین کی گئی تو یہودی اسلام دشمنی میں جان بوجھ کر آیت مبارکہ کے معنی و مفاہیم کی غلط تعبیر کر کے فکری مغالطے میں پڑے اور گستاخی کے مرتکب ہوئے۔

اس معاملہ کی حقیقت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے محتاج بندوں کی ضرورتوں میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینا قرار دیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ کائنات کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔ آیت مبارکہ میں انفاق

فی سبیل اللہ کو قرض سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ تعبیر اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ جب تم اللہ کی مخلوق کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ جس طرح مقروض، قرض خواہ کو قرض واپس کرتا ہے، اسی طرح تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کروگے تو اللہ آخرت میں اس کا اجر عطا فرمائے گا۔ قاعدہ یہی ہے کہ جب کوئی کسی کو قرض دیتا ہے تو اس کا بدلہ بھی وقتِ مقررہ پر ملتا ہے۔ یہی بات مسلمانوں سے کہی جا رہی تھی کہ تم اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں اس کے بدلے میں جنت دے گا۔ جیسا کہ اس ضمن میں مفسرین ایک روایت بھی نقل کرتے ہیں: ایک صحابی حضرت ابوالد حداح رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے قرض مانگا ہے تو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کی: یارسول اللہ ﷺ! کیا اللہ تعالیٰ نے ہم سے قرض مانگا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں۔ عرض کی: اس کے بدلے ہمیں کیا ملے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جنت۔ یہ سن کر انہوں نے اپنے دو باغوں میں ایک بڑا باغ اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا۔[29]

الغرض درج بالا عبارات کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ قرض طلب کرنے والی آیت کا معنی و مفہوم کیا تھا۔ مگر یہودیوں نے اس بات کا مذاق اڑایا کہ قرض چونکہ غریب آدمی اور مفلس شخص مانگتا ہے اور قرض دینے والا امیر آدمی ہوتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ فقیر ہو گیا ہے اور ہم امیر ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ یہودیوں کی اس گستاخی اور فکری مغالطہ پر اللہ تعالیٰ نے عذاب کی خبر دی کہ بے شک ان کا یہ قول لکھ لیا گیا ہے اور جب حساب کتاب کا وقت ہو گا تو ان سے کہا جائے گا کہ جلنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو۔

یہود کا پارسائی کا دعویٰ:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يُزَكُّونَ أَنْفُسَهُمْ بَلِ اللَّهُ يُزَكِّي مَنْ يَشَاءُ [30]

ترجمہ: کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو اپنے آپ کو بڑا پاکیزہ ٹھہراتے ہیں، بلکہ اللہ ہی ہے جو پاک کرتا ہے جس کو چاہتا ہے۔

اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین لکھتے ہیں:

نزلت فی رجال من الیھود منھم بحری بن عمرو والنعمان بن اوفی ومرحب بن زید أتوا بأطفالھم الی النبي صلی اللہ علیه وسلم فقالوا یا محمد ھل علی ھؤلاء ذنب فقال لا قالوا ما نحن الا کھیئتھم ما عملنا بالنھار یکفّر عنا باللیل وما عملنا باللیل یکفر عنا بالنھار[31]

یہ آیت کچھ یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی جن میں بحری بن عمرو، نعمان بن اوفی اور مرحب بن زید بھی تھے، اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں آئے اور عرض کی: کیا ان پر کوئی گناہ ہو سکتا ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: نہیں۔ کہنے لگے تو ہم

بھی انہیں کی طرح ہیں، دن میں ہم جو کچھ کرتے ہیں ان کو رات میں معاف کر دیا جاتا ہے
اور رات کو جو کام کرتے ہیں دن میں ان کا کفارہ ہو جاتا ہے۔

یہودی خود کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا اور اس کا پیارا ہونے کا دعویٰ کر چکے تھے، اسی خوش فہمی میں انہوں نے یہ دعویٰ بھی کیا ہم اپنے بچوں کی طرح بالکل پاکیزہ ہیں، ہم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ ہم دن اور رات میں جو بھی اعمال انجام دیں، وہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔[32] گویا کہ انہوں نے اپنے متعلق معصومیت کا دعویٰ کیا اور دوسروں پر اپنی فوقیت اور برتری ظاہر کرنے کی کوشش کی۔ اسی بنیاد پر وہ یہ بھی کہتے تھے کہ جنت میں ہمارے سوا کوئی بھی داخل نہیں ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اگلے حصے میں ان کے اس دعوے اور فکری مغالطے کا رد فرمایا کہ پارسائی کا دعویٰ کرنے سے انسان پارسا نہیں ہو جاتا بلکہ اللہ ہی ہے جسے چاہتا ہے پاکیزہ کر دیتا ہے۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ انسان کا دِین داری اور صلاح و تقویٰ اور قرب و مقبولیت کا مدعی ہونا اور اپنے منہ سے اپنی تعریف کرنا کام نہیں آتا۔

ابناء اللہ ہونے کا دعویٰ:

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ[33]

ترجمہ: اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس اہلِ کتاب آئے اور انہوں نے دین کے معاملہ میں آپ سے گفتگو شروع کی۔ آپ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور اللہ کی نافرمانی کرنے سے اس کے عذاب کا خوف دلایا تو وہ کہنے لگے کہ اے محمد ﷺ! آپ ہمیں کیا ڈراتے ہیں ہم تو اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔[34]

اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان کے اس دعوے کا بُطلان ظاہر کیا گیا۔

یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ مخلوق ہیں۔ صرف وہی ہدایت کی راہ پر گامزن ہیں، صرف انہی لوگوں کو آخرت میں نجات نصیب ہو گی۔ آخرت میں ان کے سوا کسی کو کچھ نہیں ملے گا۔ یہودیوں کے اس دعوے میں صاف اشارہ اس جانب تھا کہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ کی امت بھی نجات سے محروم رہے گی۔ نیز اس دعوے سے یہودی عام مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کی تعلیمات اور حضور ﷺ کے متعلق بے اعتمادی پیدا کرنا چاہتے تھے۔

یہودیوں کا مغفرت یافتہ ہونے کا دعویٰ:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر کرنے کے بعد اُن کے جانشینوں کا تذکرہ کیا، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَى وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِنْ يَأْتِهِمْ عَرَضٌ مِثْلُهُ يَأْخُذُوهُ أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ[35]

ترجمہ: پھر ان کے بعد ایسے برے جانشین آئے جو کتاب کے وارث ہوئے، وہ اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہماری مغفرت کر دی جائے گی حالانکہ اگر ویسا ہی مال ان کے پاس مزید آجائے تو اسے (بھی) لے لیں گے۔ کیا کتاب میں ان سے یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ اللہ کے بارے میں حق بات کے سوا کچھ نہ کہیں گے اور وہ پڑھ چکے ہیں جو اس کتاب میں ہے اور بے شک آخرت کا گھر پرہیز گاروں کے لیے بہتر ہے، تو کیا تمہیں عقل نہیں؟

اس آیت میں یہودیوں کے ناخلف جانشینوں کا تذکرہ ہے کہ وہ نافرمانیوں کے باوجود اس فکری مغالطے کا شکار تھے کہ ان کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور ان کی کوئی گرفت نہیں ہو گی۔ حالانکہ وہ رشوت لے کر تورات کے احکام بدل دیا کرتے تھے۔ وہ مال جمع کرنے پر اتنے حریص تھے کہ حلال و حرام کی تمیز بھی نہیں کرتے تھے، حلال و حرام کی تمیز سے بے نیاز ہو کر دنیاوی مفادات کے پیچھے پڑے ہوئے تھے۔ ان کے اس خام خیالی کی بنیاد وہی تھی جس کا ذکر اوپر بھی کیا جا چکا ہے جس میں وہ کہتے تھے کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں، اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں، لہٰذا ہماری بخشش تو یقینی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خوش فہمی اور فکری مغالطے کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ''کیا ان سے کتاب میں یہ عہد نہیں لیا گیا تھا کہ وہ اللہ کے متعلق حق کے سوا کچھ نہیں کہیں گے۔'' اس کے علاوہ وہ تورات میں یہ بھی پڑھ چکے تھے اور اچھی طرح جانتے بھی تھے کہ رشوت نہیں لینی۔[36] جھوٹ بولنا حرام ہے۔[37] کسی پر ظلم نہیں کرنا۔[38]

کتاب مقدس کے باب خروج میں دیگر احکام بھی ہیں جن کو وہ جاننے کے باوجود خلاف ورزی کے مرتکب ہوتے تھے۔

یہود کے فکری مغالطوں کا تجزیاتی مطالعہ:

یہودی ابتداء ہی سے جھوٹی آرزؤں، خود تراشیدہ اوہام و خیالات اور فکری مغالطوں میں پڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے اپنے خود ساختہ عقائد گھڑ رکھے تھے۔ نہ صرف یہ بلکہ انہوں نے اپنی خیالی دنیا میں اپنے مزاج کے مطابق عقائد و نظریات کی نسبت اللہ کی طرف کر رکھی تھی۔ ان کی اس ناپاک جسارت پر کئی بار انہیں سرزنش کی گئی اور حقیقتِ حال سے واضح کیا گیا مگر ان کا نسلی و قومی تعصب ان کے قبول حق میں بہت بڑی رکاوٹ بنا ہوا تھا۔ اسی طرح علم و عمل سے رشتہ کا انقطاع بھی قبول حق کی راہ میں ایک بہت بڑی رکاوٹ تھا۔

فلسفہ بھی یہی ہے کہ جب کوئی قوم علم و عمل سے دور ہو جائے تو خواہشات اور آرزوئیں جنم لیتی ہیں۔ پھر بعد میں یہی خواہشات اور آرزو عقائد میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ یہودیوں کا بھی یہی حال تھا کہ ان کا کردار انبیاء کی تعلیمات سے قطع تعلقی پر دلالت کرتا تھا۔ وہ تعلیمات سے کوسوں دور ہو چکے تھے۔ انہوں نے اپنی خواہشات و آرزوؤں کو عقائد کا درجہ دے دیا تھا۔ اسی لیے کفر و شرک میں پڑے رہنے کے باوجود وہ اس آرزو میں پڑے ہوئے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں جہنم میں نہیں جانے دیں گے۔ ان کے نسلی غرور نے انہیں اس وہم میں مبتلا کر رکھا تھا کہ وہ خدا کی برگزیدہ امت ہیں، لہٰذا ان کے اعمال کچھ بھی ہوں، ان سے کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو گی۔ ان کا زعم تھا کہ اول تو وہ دوزخ میں بھیجے ہی نہیں جائیں گے اور اگر بھیجے بھی گئے تو معمولی طور پر کچھ سزا بھگت کر جنت کی طرف واپس کر دیے جائیں گے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۱۳۵ کے مطابق انہوں نے یہ نظریہ بھی گھڑ رکھا تھا کہ ہدایت یافتہ صرف وہی لوگ ہیں۔ اسی بناء پر وہ کہتے تھے کہ یہودی یا عیسائی ہو جاؤ تو ہدایت پا جاؤ گے۔ ان کی نظر میں مسلمان گمراہی کے راستے پر تھے۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ صرف یہودیت یا نصرانیت ہی خدائی دین ہیں، اس کے علاوہ اسلام کوئی دین نہیں ہے۔ بلاشبہ ان کا یہ دعویٰ بلا دلیل تھا۔ وہ دلائل کی دنیا میں بے بس تھے۔ وہ اپنی دلیل میں صرف یہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ یہودی تھے لہٰذا نجات صرف یہودیت میں ہی ہے۔ یہ روش صرف یہودیت میں نہیں تھی بلکہ تقریباً ہر زوال پذیر قوم میں رہی ہے اور اب بھی جاری ہے۔ تاریخی حوالہ جات اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ جو قوم فکر و عمل کے لحاظ سے پستی کا شکار ہو جاتی ہے تو وہ اپنے نظریات کو منوانے کے لیے اپنے فوت شدہ آباؤ اجداد کو استعمال کرتی ہے۔ یہودیوں نے بھی کچھ اسی طرح کی روش اختیار کی کہ اپنے موقف کی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی اور اپنے نظریات کو ان کے نظریات کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی۔ اسی سورت کی آیت ۱۴۰ میں اس کا بیان موجود ہے۔ یہودی حضرت ابراہیم کے ساتھ ساتھ حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام کے متعلق بھی یہودی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ حالانکہ یہودی اس بات کے بخوبی واقف تھے کہ ان برگزیدہ انبیاء کرام کا یہودیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ ان کی تورات میں بھی لکھا ہوا تھا کہ انبیاء کرام یہود و نصاریٰ میں سے نہیں ہیں۔[39] مگر پھر بھی اپنی جان بچانے کے لیے اسلام اور پیغمبر اسلام کی مخالفت میں باطل دعوے کرتے تھے۔ یہودیوں کے اس باطل نظریے پر اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے واضح الفاظ میں [ولکن کان حنیفا مسلما] کہلوا دیا کہ وہ ہر باطل سے جدا رہنے والے مسلمان تھے۔ گذشتہ انبیاء کے نظریات تمہارے نظریات سے یکسر مختلف تھے۔ وہ توحید کو ماننے والے اور اسی پر قائم رہنے والے تھے۔ یہودیت اور عیسائیت بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اگر انسان کے ہدایت یافتہ ہونے کا مدار یہودیت یا عیسائیت اختیار کرنے پر ہے

تو مذکورہ مذاہب سے صدیوں پہلے پیدا ہونے والے انبیاء اور صلحاء کے لیے ہدایت کا معیار کیا ہوگا؟ بالفاظِ دیگر جب یہودیت یا عیسائیت کا وجود نہیں تھا تو اس وقت لوگوں کے لیے ہدایت کا معیار کیا تھا؟ کیا وہ گمراہی پر تھے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس سے یہودیوں کے باطل دعوے کی قلعی کھل جاتی ہے اور انہیں خاموش رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ لہٰذا یہاں ماننا پڑے گا کہ ہدایت کا معیار یہودیت یا عیسائیت نہیں بلکہ وہ صراط مستقیم ہے جو خالص توحید پر مشتمل تھا جس سے ہر زمانہ میں ہدایت ملتی رہی۔ اسی کا نام دینِ حنیف رکھا گیا اور اسی کی پیروی کا حکم دیا گیا۔

اسی تسلسل میں انہوں نے یہ نظریہ بھی بنا رکھا تھا کہ نجات یافتہ قوم صرف یہود ہے۔ وہ خود کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے اور کہتے تھے [لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَى] کہ جنت میں یہودی یا عیسائی کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا۔ گویا کہ یہودیوں نے اپنا قانونِ نجات بنایا ہوا تھا۔ وہ اپنی سابقہ حیثیت کے حوالے سے خود کو جنت کا مستحق سمجھتے تھے۔ جبکہ درحقیقت نجات کا قانون وہی ہے جو بارہا قرآن واحادیث میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو کوئی بدی کرے گا تو اس کا عذاب پائے گا اور نیکی کرے گا تو اس کا اجر پائے گا۔ کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے برائیوں اور گناہوں میں پڑے رہنے کے باوجود کسی سے تعلق یا نسبت کی بنیاد پر حتمی طور پر نجات کا یقین رکھنے کا خیال باطل ہے۔ انہوں نے قومی اور گروہی شناخت کو وجہ نجات قرار دیا ہوا تھا۔ اسی سبب ان کی زندگی تباہ ہو کر رہ گئی تھی۔ ان کا نظریہ تھا کہ دوزخ کی آگ ہمیں نہیں چھوئے گی۔ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۸۰ اور آل عمران کی آیت ۲۴ کے مطابق وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ بالفرض اگر ان کو دوزخ میں بھی جانا پڑا تو وہ صرف چند دنوں کے لیے جائیں گے۔ ان کے اس موقف اور عقیدے پر قرآنِ مجید میں سوال کیا گیا کہ اس پر تمہارے پاس کیا دلیل ہے؟ کیا اللہ نے تم سے اس قسم کا کوئی عہد لیا ہے کہ وہ تمہیں صرف چند دنوں کے لیے جہنم میں ڈالے گا اور اس کے بعد تم جنت میں چلے جاؤ گے؟ تم کس بنیاد پر اس خوش فہمی میں مبتلا ہو؟ تمہارے دعوے کی دلیل کیا ہے؟ قرآن مجید کے اس الزامی سوال سے واضح ہوتا ہے کہ یہ یہودیوں کا خود ساختہ عقیدہ تھا ۔ خدا نے ان سے ایسا کوئی وعدہ نہیں کیا تھا۔ وہ خود اپنے دل کی تسلی کے لیے تباہی کے راستے پر چل پڑے تھے۔ انہیں اپنی نجات پر اتنا یقین تھا کہ وہ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں جہنم میں جانے سے روک دیں گے۔ ان کی خام خیالی اور خود ساختہ عقیدے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے آپ کو [أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ] کہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو دوزخ کی آگ میں نہیں ڈالے گا۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انہیں اللہ کا محبوب کس نے قرار دیا تھا؟ کیا قران میں اس بات کا کوئی ذکر ہے؟ ہرگز نہیں۔ تو پھر وہ کیونکر اس خام خیالی میں مبتلا تھے؟ یہودیوں کا تاریخی پس منظر اس بات کو واضح کر دیتا ہے۔ تاریخی شواہد کے مطابق بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی محبوب امت میں شمار ہوتی تھی۔ اللہ تعالیٰ

نے انہیں تمام عالم پر برگزیدگی اور بزرگی کا شرف بخشا تھا۔ نیز انہیں دینِ الٰہی کی تبلیغ کے لیے چنا تھا، ان کی خاطر فرعون کو پوری قوم سمیت غرق کیا تھا، ان پر من وسلویٰ نازل کیا تھا، انہیں ارض مقدس کا وارث بنایا تھا، لیکن اس شرف وعزت اور اپنے رب کی بے پایاں نعمتوں کی ناقدری کے نتیجے میں وہ محبوب ترین قوم سے مغضوب ترین لوگوں میں شامل ہو گئے۔ انہوں نے آنے والے ادوار میں سرے سے اسلامی نظام ہی کو ترک کر دیا۔ اور انہوں نے اس کرۂ ارض پر عظیم نافرمانیوں اور کبیرہ گناہوں کا ارتکاب شروع کر دیا۔ ان گناہوں سے زمین بھی کانپنے لگی۔ ان کے لیے ان کے احبار، علماء نے ان چیزوں کو حلال کر دیا جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔ اور ان پر ان چیزوں کو حرام کر دیا جو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دی تھیں۔ انہوں نے ان غلط کاموں میں ان احبار کی پیروی شروع کر دی تھی اور ان احبار نے اس طرح جو خدائی کا دعوی کیا تھا، اس کا انہوں نے انکار نہ کیا۔ حالانکہ حلال و حرام کا تعین تو اللہ کا کام تھا۔ ان احبار نے اللہ کی شریعت میں تبدیلیاں کر دیں تاکہ بادشاہوں اور شرفاء کو خوش کریں اور جمہور عوام کے رجحانات اور میلانات کی پیروی و چاپلوسی کریں۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے گویا ان کو اپنا رب بنا لیا تھا۔ پھر انہوں نے سود کھانا شروع کر دیا۔ ان کا تعلق اپنے دین اور اپنے رب کے ساتھ کمزور ہو گیا۔ ان جرائم اور ان کے ساتھ بیشمار دوسرے جرائم کے باوجود وہ بدستور اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ اللہ کی برگزیدہ قوم ہیں، اور یہ کہ ان کو آگ فقط چند دن تک چھوئے گی اور یہ کہ اللہ کے نزدیک صرف یہودی ہی نجات کے مستحق ہیں۔ گویا ان کی نظر میں دین صرف رشتہ داری تک محدود ہو گیا ہے یا دین میں بھی ذاتی تعلقات اور دوستیاں کام کرتی ہیں۔ یقیناً ذاتِ باری تعالیٰ ان چیزوں سے بہت بلند ہے۔ اس لیے کہ اللہ کو اپنے بندوں میں سے کسی کے ساتھ نہ قرابت داری ہے اور نہ نسبت ہے۔ رب اور بندے کا تعلق صرف درست عقائد کی وجہ سے قائم رہ سکتا ہے۔ عمل صالح کے ساتھ قائم رہ سکتا ہے اور اسلامی نظام حیات پر ثابت قدمی سے رہ سکتا ہے۔[40] الغرض بنی اسرائیل پر جو انعاماتِ الٰہیہ ہوئے، اس کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو اللہ کا مقرب اور محبوب سمجھتے تھے۔ حالانکہ اس وقت بنی اسرائیل کی حیثیت کچھ اور تھی اور اب ان کے عقائد و نظریات یکسر بدل چکے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو عمل واطاعت کی ذمہ داریوں سے سبکدوش سمجھا ہوا تھا۔ وہ احکاماتِ الٰہی سے مکمل طور پر بے پرواتھے۔ لہٰذا جنت پر خود ساختہ حق جتانا ان کا زعم باطل تھا۔ اس میں یہ سبق پوشیدہ ہے کہ خدا کے ہاں برگزیدگی کا پیمانہ نسلی رشتے یا تعلقات کے بجائے ''عمل'' ہے۔

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر ۹۱ میں بھی یہودیوں کی ہٹ دھرمی اور ایک خوش فہمی کا ذکر ہے۔ وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ ہماری نجات کے لیے تورات پر ایمان لانا کافی ہے۔ اسی لیے وہ اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار کرتے تھے۔ جب یہودیوں کو قرآن اور نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی تو انہوں نے مذہبی عصبیت اور خود ساختہ علمی مقام کی بناء پر کہا کہ ہم صرف اس چیز پر ایمان لائیں

گے جو ہم پر اتری ہے۔ اس کے سوا کسی چیز پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ان کا مقصد محض تورات پر ایمان لانے کا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ تورات پر بھی کامل ایمان نہیں رکھتے تھے۔ قرآن نے اسی پر سوال اٹھایا کہ اگر تم تورات پر ایمان رکھتے ہو تو بتاؤ انبیاء کو قتل کیوں کیا؟ حالانکہ وہ تو تمہاری قوم بنی اسرائیل میں سے ہی تھے۔ کون سی شریعت انبیاء کرام کے قتل کو جائز قرار دیتی ہے؟ یہاں قرآن تاریخی انداز میں یہودیوں کے آباؤاجداد کے کردار کو ان کے سامنے بیان کرتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام معجزات لے کر آئے تو تم اس پر ایمان لانے کے بجائے بچھڑے کی پرستش میں مبتلا ہوگئے۔ تم نے شریعت کا مطالبہ کیا تو تورات اتاری گئی مگر تم نے اسے قبول کرنے سے انکار کردیا۔ تمہاری تاریخ بھری پڑی ہے کہ تم نے بار بار عہد وپیماں کو توڑا۔ لہٰذا یہاں یہودیوں سے سوال ہوتا ہے کہ تم کون سی تورات پر ایمان رکھتے ہو؟ تمہارا کردار سراسر تعلیمات تورات سے منحرف ہے۔ لہٰذا تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ یکسر باطل ہے۔ بلاشبہ یہودیوں کا کردار واضح کرتا ہے کہ وہ صرف اور صرف اپنی نفسانی خواہشات کے تابع تھے، تورات ہو یا قرآن، کسی چیز سے ان کا لینا دینا نہیں تھا۔ اگر وہ تورات پر بھی ایمان رکھتے تو کسی قسم کی برائی میں نہ پڑتے۔

یہود نسلی فخر وعصبیت اور قومی غرور سے بھرے ہوئے تھے، اہل مکہ کو اپنے سے بہت فروتر رکھتے تھے۔ اسی قبائلی تعصب میں آکر کہتے تھے [لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْأُمِّيِّينَ سَبِيلٌ] کہ امیین یعنی غیر یہودی کے معاملے میں ان سے کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا۔ یہودی اپنے سوا لوگوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص امیین کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ اس سے ان کی مراد ان پڑھ تھی کہ مسلمان ان پڑھ ہیں۔ اسی خود ساختہ علمی تفوق کی بنا پر ان کا نظریہ تھا کہ امیین کا مال یہودیوں کے لیے حلال ہے۔ نسلی اور قومی تعصب نے انہیں اس حد تک پہنچا دیا تھا کہ وہ غیر یہودیوں یعنی مسلمانوں پر ظلم کو اچھا سمجھتے تھے۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۷۵ میں یہودیوں کے اسی کردار کو واضح کیا گیا ہے کہ وہ امیین کے اموال میں خیانت کرتے تھے اور انہیں ہڑپ کر جانے کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ ان کا نظریہ تھا کہ تورات میں مال غصب کرنے اور سود خوری کی جو ممانعت ہے وہ صرف اپنی قوم کی حد تک ہے، اس کا تعلق غیر یہودی اقوام سے نہیں ہے، ان کے اموال کھانا جائز ہے۔ تعجب خیز بات یہ ہے کہ یہ جاہلانہ اور خود ساختہ نظریہ محض عوام کی حد تک محدود نہیں تھا بلکہ یہودی علماء بھی اسی نظریہ پر کاربند تھے، اور اسی کے متعلق فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہودی غیر یہودیوں کا مال کھانا کیوں جائز سمجھتے تھے؟ امام رازی نے تین وجوہات نقل کی ہیں: لکھتے ہیں:

الأول: أنهم مبالغون في التعصب لدينهم، فلا جرم يقولون: يحل قتل المخالف ويحل أخذ ماله بأي طريق كان

الثاني: أن اليهود قالوا [نحن أبناء الله وأحباؤه] والخلق لنا عبيد فلا سبيل لأحد علينا إذا أكلنا أموال عبيدنا

الثالث: أن اليهود إنما ذكروا هذا الكلام لا مطلقا لكل من خالفهم، بل للعرب الذين آمنوا بالرسول صلى الله عليه وسلم[41]

۱۔ یہودی اپنے دین میں سخت متعصب تھے وہ کہتے تھے جو دین میں ان کا مخالف ہو اس کو قتل کرنا بھی جائز ہے اور جس طرح بن پڑے اس کا مال لوٹنا بھی جائز ہے۔

۲۔ یہودی کہتے تھے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں اور ساری مخلوق ہماری غلام ہے اس لیے وہ ہر غیر یہودی کا مال اپنے لیے جائز سمجھتے تھے۔

۳۔ یہودی مطلقا غیر کے مال کو حلال نہیں سمجھتے تھے بلکہ عرب کے جو لوگ نبی کریم ﷺ پر ایمان لے آئے تھے ان کے مال کو کھانا اپنے لیے جائز گردانتے تھے۔[42]

یہودی جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اس سے ان کا مقصد مسلمانوں کی تحقیر اور اپنا تفوق بیان کرنا تھا، وہ اس پر تکبر کرتے تھے کہ وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں اور ان کو مسلمانوں سے پہلے کتاب دی گئی اس لیے وہ خود کو اہل کتاب اور مسلمانوں کو امیین کہتے تھے، اور جو شخص دین میں ان کا مخالف ہو اس کے حقوق کے استحصال کو جائز سمجھتے تھے، اور ان کا یہ اعتقاد تھا کہ جو شخص جاہل ہو یا امی ہو اس کے حقوق کو ضائع کرنا جائز ہے۔[43]

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کس دلیل کی بنیاد پر مسلمانوں کے حقوق کو ضائع کرنا جائز سمجھتے تھے؟ ان کے خیال میں یہ حکم تورات میں باب استثناء کی ایک آیت سے ماخوذ ہے۔ جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تورات میں اسرائیلی اور غیر اسرائیل کے ساتھ معاملات میں تفریق تو کی ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ غیر اسرائیلی کے مال کو ناجائز طور پر ہڑپ کر لیا جائے لیکن انہوں نے اپنے سوء فہم اور کم عقلی سے یہ سمجھ لیا کہ غیر اسرائیلی کا مال کھانا جائز ہے۔ تورات کی عبارت یہ ہے: تو پردیسی (اجنبی، غیر اسرائیلی) کو سود پر قرض دے تو دے پر اپنے بھائی کو سود پر قرض نہ دینا تاکہ خداوند تیرا اس ملک میں جس پر تو قبضہ کرنے جارہا ہے تیرے سب کاموں میں جن کو تو ہاتھ لگائے تجھ کو برکت دے۔[44] اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ غیر اسرائیلی سے اسرائیلی کا سود لینا جائز ہے، یہ نہیں کہا کہ غیر اسرائیلی کا اصل مال ہڑپ کر لینا جائز ہے، اور یہ بھی اس تقدیر پر ہے کہ ہم یہ تسلیم کر لیں کہ موجودہ تورات میں جو یہ آیت لکھی ہوئی ہے اصل تورات میں بھی یہ حکم اسی طرح تھا، جب کہ قرآن مجید میں غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت محرف ہے، کیونکہ جب غیر اسرائیلی سے سود لینا جائز ہوگا تو غیر اسرائیلی سے اس کی اصل رقم سے زائد رقم وصول کرنا جائز ہوگا۔ اور یہی غیر اسرائیلی کا ناحق

مال کھانا ہے جس کو یہودی جائز سمجھتے تھے۔[45] قرآن ان کے اس کردار کو ذکر کرنے کے بعد دوٹوک الفاظ میں کہتا ہے [وَيَقُولُونَ عَلَى اللّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ] کہ وہ جان بوجھ اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹ باندھتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ تھا کہ ان کا خدا اور ان کا دین انہیں اس بات کا حکم دیتا ہے۔ لیکن دراصل وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ جھوٹ بولتے ہیں۔

سورۃ آل عمران کی آیت نمبر ۱۸۱ میں یہودیوں کے ایک اور فکری مغالطہ کی جانب اشارہ ہے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ محتاج ہو گیا ہے، اسے مال کی ضرورت ہے (نعوذ باللہ)۔ اس فکری مغالطہ کا پس منظر یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو دعوت انفاق فی سبیل اللہ دی گئی تو مسلمان بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگے، صاحبِ ثروت صحابہ کرام نادار مسلمانوں کی مدد کرنے لگے۔ اس حکم کا اصل مقصد ہی یہی تھا کہ دین کی سربلندی اور ناداروں اور مسکینوں کے لیے اصحاب ثروت خرچ کریں اور وہ جو کچھ دنیا میں خرچ کریں گے اللہ ان کو دس گنا، سات سو گنا، یا اس سے بھی زیادہ ثواب عطا فرمائے گا۔

اس حکم پر منافقین اور بعض یہودیوں جس میں فنحاس کا سر فہرست آتا ہے جس نے اپنی فطری روش پر قائم رہتے ہوئے فقرے کسے کہ اللہ بہت غریب ہو گیا ہے جبھی وہ ہم سے مال طلب کر رہا ہے یا قرض مانگ رہا ہے۔ یہودیوں کی اسی روش کا ذکر سورۃ المائدۃ میں بھی ہوا ہے۔ وہ کہا کرتے تھے [يَدُ اللّهِ مَغْلُولَةٌ] یعنی اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں۔ ان کے کہنے کا مقصد یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ تنگدست ہو گیا ہے (نعوذ باللہ)۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی تھا کہ انہوں نے بخل اور کنجوسی کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی۔ یہاں کوئی بھی معنی مراد لیے جائیں۔ یقینی طور پر اس میں اہانت کا پہلو نکلتا ہے۔ لا محالہ یہودیوں کا یہ قول انتہائی بیہودگی پر مشتمل تھا۔ رب العزت کی شان میں یہ ان کی صریح گستاخی تھی۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے انہیں عذاب الیم کی خبر سنائی۔ یہ حقیقت ہے کہ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم ذات باری تعالیٰ کی اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ دینے والے کے اپنے اخروی نفع کے لیے تھا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا حکم انتہائی واضح تھا، اس کے باوجود یہودیوں نے اس پر اعتراض کیوں اٹھائے، اس کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں۔ انفاق فی سبیل اللہ کی مخالفت کی ایک وجہ تو یہ ہو سکتی ہے کہ یہودی انتہائی بخیل تھے اور مال و دولت کی ہوس پرستی میں مبتلا تھے۔ سود اور حرام خوری کی وجہ سے ان میں مال کی ہوس انتہائی حد تک بڑھ چکی تھی۔ وہ اپنے مالی تفوق کی بنا پر مسلمانوں سے طرح طرح سے مال بٹورتے تھے۔ مال کی محبت ان کے دلوں میں راسخ ہو چکی تھی۔ انہیں یہ خدشہ لاحق ہوا کہ ابھی تو یہ حکم مسلمانوں کے لیے ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں ہمارے لیے بھی اسی طرح کا کوئی حکم نازل ہو جائے اور ہمیں بھی اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا پڑے۔ اس خوف سے انہوں نے انفاق فی سبیل اللہ کے حکم کا تمسخر اڑانا شروع کر دیا۔ انفاق فی سبیل اللہ پر اعتراض کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ یہودی غریب اور نادار مسلمانوں کی مالی مدد کر کے انہیں اپنا غلام بنا کر

رکھتے تھے۔ان سے اپنے کام نکلوایا کرتے تھے۔انفاق فی سبیل اللہ کے اعلان سے انہیں یہ خدشہ ظاہر ہوا کہ اب مالدار مسلمان غریب مسلمانوں کی مدد کریں گے تو اس بناء پر غریب مسلمان یہودیوں کے محتاج نہیں رہیں گے اور وہ انہیں اپنے کام کاج کے لیے استعمال نہیں کر سکیں گے۔اس لیے انہوں نے اس حکم اور ترغیب کو مذاق میں اڑانے کی کوشش کی اور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کی۔اس میں کوئی شک نہیں کہ انفاق فی سبیل اللہ پر اعتراض یہودیوں کے نہ صرف بخل بلکہ خبث باطن کا واضح اظہار تھا۔

خلاصہ بحث

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بیش بہا انعامات سے نوازا اور ان پر کئی احسانات کیے۔انہیں فرعون کے ظلم اور غلامی سے نجات دی،انہیں دنیا کی تمام اقوام پر فضیلت عطا فرمائی،ان کے ہر گروہ کو علیحدہ علیحدہ منظم کیا، انہیں دھوپ کی تپش سے بچانے کے لیے ان پر بادل کا سایہ بھیجا گیا، بیابان علاقے میں معجزانہ طور پر پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری کیے گئے، من وسلویٰ اتارا،ان سب انعامات الٰہیہ کے باوجود انہوں نے احسان فراموشی کی اور مسلسل نافرمانیوں میں پڑے رہے۔سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ سرکشی کے باوجود اپنی اخروی نجات کی خوش فہمی میں مبتلا تھے۔وہ اس فکری مغالطے میں پڑے ہوئے تھے کہ وہ خدا کے چہیتے فرزند ہیں،انہیں کسی قسم کا عذاب نہیں ہوگا۔وہ سخت جرائم کرنے کے بعد بھی یہ سمجھتے رہے کہ قیامت کے دن صرف وہی اللہ کے مقرب ہوں گے،میدانِ حشر میں صرف انہی کی طرف نظر رحمت ہوگی۔نیز جو تھوڑے بہت گناہ سرزد ہوئے ہیں،اس پر محدود دنوں کا عذاب دیا جائے گا اور باقی اپنے بزرگوں کے صدقے معاف کر دیا جائے گا۔اسی طرح بزعم خویش وہ اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ غیر یہودیوں سے کسی بھی قسم کا سلوک کیا جائے، ہم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔جبکہ درحقیقت قرآنی آیات کی روشنی میں واضح ہے کہ معاملہ اس کے برعکس ہوگا،انہیں شدید عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اور انہیں اپنے کیے کی سزا دی جائے گی۔

حواشی وحوالہ جات

1۔ سورۃ البقرۃ: ۸۰/۲۔

Al-Baqarah 2:80.

2۔ سورۃ البقرۃ: ۶۱/۲۔

Al-Baqarah 2:61.

3۔ محولہ بالا۔

Ibid.

4۔ سورۃ الانفال: ۵۶/۸۔

Al-Anfal 8:56.

5. سورۃالبقرۃ:۲/۴۲۔

Al-Baqarah 2:42.

6. سورۃالمائدۃ:۵/۱۸۔

Al-Maidah 5:18.

7. سورۃالبقرۃ:۲/۸۰۔

Al-Baqarah 2:80.

8. محولہ بالا۔

Ibid.

9. طبری،ابو جعفر محمد بن جریر، **"جامع البیان فی تاویل القرآن"**،موٴسسۃالرسالۃ،بیروت،الطبعۃالاولی۱۴۲۰ھ،ج۲، ص۲۷۴۔۲۷۵۔

Ṭabrī, Abu Jafar Muhammad bin Jareer, "Al-Jami ul Bayan Fi Taweelil Quran", Moassahtulrisala, Beirut, 1420 AH, 2/274-275.

10. ابن کثیر،عماد الدین اسماعیل بن عمر، **"تفسیر القرآن العظیم"**،دار الکتب العلمیہ بیروت،الطبعۃالاولی۱۴۱۹ھ،ج۱، ص۲۰۶۔

Ibne Kathir, Imad ud Din Ismail bin Kathir, "Tafseer-ul-Quran Azeem", Darul Kutub ul Ilmiyah, Beirut, 1419. AH, 1/206.

11. سورۃالبقرۃ:۲/۱۳۵۔

Al-Baqarah 2:135.

12. سیوطی،عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین، **"الدر المنثور"**،دار الفکر بیروت،سن،ج۲،ص۲۳۷۔

Suyuti, Abdul Rehman bin Abi Bakar Jalaluddin, "Al-Dur al-Manthur", DarulFikr, Beirut, n.d., 2/237.

13. طبری، **"جامع البیان فی تاویل القرآن"**،ج۳،ص۱۰۲۔

Tabri, "Al-Jamiul Bayan Fi Taweelil Quran", 3/102

14. سورۃالبقرۃ:۲/۱۴۰۔

Al-Baqarah 2:140.

15. طبری، **"جامع البیان فی تاویل القرآن"**،ج۳،ص۱۲۵۔

Tabri, "Al-Jamiul Bayan Fi Taweelil Quran", 3/125.

16. محولہ بالا۔

Ibid.

17. سورۃآل عمران:۳/۶۷۔

Aal-e-Imran 3:67.

18. سورۃالبقرۃ:۲/۹۱۔

Al-Baqarah 2:91.

19. سورۃالبقرۃ:۲/۱۱۱۔

Al-Baqarah 2:111.

20۔ سورۃ آل عمران: ۷۵/۳۔

Aal-e-Imran 3:75.

21۔ طبری، "**جامع البیان فی تاویل القرآن**"، ج۶، ص ۵۲۲۔

Tabri, "Al-Jamiul Bayan Fi Taweelil Quran", 6/522.

22۔ کتاب مقدس، باب استثناء: ۲۰/۲۳۔

Bible, Deuteronomy Book, 23:20.

23۔ پانی پتی، قاضی محمد ثناء اللہ، "**التفسیر المظہری**"، مکتبۃ الرشدیہ پاکستان، الطبعۃ ۱۴۱۲ھ، ج۱، ص ۷۴۔

Panipati, Qazi Muhammad Sanaullah, "Tafseer al-Mazhari", Maktaba Rasheediya, Pakistan, edition 1412 AH, 1/74.

24۔ رازی، ابو عبداللہ فخر الدین، "**التفسیر الکبیر**"، دار احیاء التراث العربی، بیروت، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۰ھ، ج۸، ص ۲۶۴، ملخصاً۔

Razi, Abu Abdullah Fakhruddin, "Al-Tafseer Al-Kabeer", Dar Ihya al-Turath al-Arabi, Beirut, 2nd edition 1420 AH, 8/264.

25۔ سعیدی، علامہ غلام رسول، "**تبیان القرآن**" فرید بک اسٹال، لاہور، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۳۱ھ/۲۰۱۰ء، ج۲، ص ۲۰۴۔

Saeedi, Allama Ghulam Rasool, "Tibyan Al-Quran" , Farid Bbook Stall, Lahore, 5th Edition 1431 AH. 2/204.

26۔ سورۃ آل عمران: ۱۸۱/۳۔

Aal-e-Imran 3:181.

27۔ ابن ابی حاتم، ابو محمد عبدالرحمن بن محمد تمیمی، "**تفسیر القرآن العظیم لابن ابی حاتم**"، مکتبہ نزار مصطفی الباز، سعودیہ، الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۱۹ھ، ج۳، ص ۸۲۸۔

Ibn-e-Abi Hatim, Abu Muhammad Abdul Rahman bin Muhammad Tamimi, "Tafseer-ul-Quran-ul-Azeem", Maktaba Nazzar Mustafa Al-Baaz, Saudia, 3rd edition 1419 AH, 3/828.

28۔ ابن ہشام، "**السیرۃ النبویۃ**"، مطبعۃ مصطفی البابی، مصر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۳۷۵ھ، ج۱، ص ۵۵۹۔

Ibn-e-Hisham, "Al Serat-un-Nabawia", Mustafa Al-Babi Egypt, 3rd edition 1375 AH, 1/559.

29۔ سیوطی، عبدالرحمن بن ابی بکر جلال الدین، "**الدر المنثور**"، دار الفکر بیروت، س ن، ج۱، ص ۷۴۶۔

Suyuti, Abdul Rehman bin Abi Bakar Jalaluddin, "Al-Dur al-Manthur", DarulFikr, Beirut, n.d., 1/746.

30۔ سورۃ النساء: ۴۹/۴۔

Al-Nisa 4:49.

31 ۔ پانی پتی، "التفسیر المظہری"، ج ۲، ص ۱۴۰۔

Panipati, "Tafseer al-Mazhari", 2/140.

32 ۔ پانی پتی، "التفسیر المظہری"، ج ۲، ص ۱۴۰۔

Panipati, "Tafseer al-Mazhari", 2/140.

33 ۔ سورۃ المائدۃ: ۱۸/۵۔

Al-Maidah 5:18.

34 ۔ قرطبی، ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی، "الجامع لاحکام القرآن" دار الکتب المصریہ، قاہرہ، الطبعۃ الثانیہ ۱۳۸۴ھ / ۱۹۶۴ء، ج ۶، ص ۱۲۰۔

Qurtabi, Abu Abdullah Muhammad Bin Ahmed Malki, "Al-Jami-ul-Ahkaam-ul-Quran", Darul Kutub, Egypt, 2nd eition 1384 AH, 6/120.

35 ۔ سورۃ الاعراف: ۱۶۹/۷۔

Al-A'raf 7:169.

36 ۔ کتاب مقدس، باب خروج: ۸/۲۳۔

Bible, Exodus Book, 23:8.

37 ۔ کتاب مقدس، باب خروج: ۱/۲۳۔

Bible, Exodus Book, 23:1.

38 ۔ کتاب مقدس، باب خروج: ۹/۲۳۔

Bible, Exodus Book, 23:9.

39 ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دینِ حنیف پر قائم ہونے کی شہادت تورات میں موجود تھی، مگر یہودیوں نے حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت کی شہادت کی طرح اس شہادت کو بھی چھپا دیا تھا۔

نسفی، ابوالبرکات عبداللہ بن احمد، "تفسیر نسفی (مدارک التنزیل وحقائق التاویل)، دار الکلم الطیب، بیروت، الطبعۃ الاولی ۱۴۱۹ھ، ج ۱، ص ۳۶۔

Nasafi, Abul Barakat, Abdullah bin Muhammad, "Tafseer Nasafi (Madarik ul Tanzeel wa Haqaiqul Taweel)", Dar ul Kalim, Beirut, 1st edition, 1419 AH. 1/36.

40 ۔ سید قطب، ابراہیم حسن الشاربی، "فی ظلال القرآن"، (مترجم)، ادارہ منشورات اسلامی، لاہور، طبع اول ۱۹۹۵ء، ج ۲، ص ۱۲۵۔

Syed Qutub, Ibrahim Hasan Al-Sharbi, "Fi Zilalil Quran", (Translated), Idara Manshoorat e Islami, Lahor, 1st Edition 1995. AD, 2/125.

41 ۔ رازی، "التفسیر الکبیر"، ج ۸، ص ۲۶۴۔

Razi, Abu Abdullah Fakhruddin, "Al-Tafseer Al-Kabeer", 8/264.

42 ۔ سعیدی، **"تبیان القرآن"**، ج۲، ص۲۰۵۔

Saeedi, Allama Ghulam Rasool, "Tibyan Al-Quran", 2/205.

43 ۔ محولہ بالا۔

Ibid.

44 ۔ کتاب مقدس، باب استثناء: ۲۰/۲۳۔

Bible, Deuteronomy Book, 20:23.

45 ۔ سعیدی، **"تبیان القرآن"**، ج۲، ص۲۰۵۔

Saeedi, Allama Ghulam Rasool, "Tibyan Al-Quran", 2/205.